رسائل و مسائل

ترقیات، مادّی علوم اور اسلام

سوال:- دورِ حاضر میں اسلام اور مسلم معاشرہ کے موضوع پر میں ایک تحقیقاتی مقالہ ترتیب دے رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ اپنے مصروف اور قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت ان سوالات کا جواب دینے کے لیے نکال لیں گے۔ آپ کے مشورے ہمارے لیے رہنما ہوں گے۔

۱- اسلام میں ترقی کا کیا مفہوم ہے؟

۲- مسلمان کا کیا نصب العین ہے؟ اور اس کے حصول کے لیے موجودہ مادی طاقت کہاں تک ضروری ہے؟

۳- اسلام میں علم سے مراد کیا لی جاتی ہے؟

۴- دورِ حاضر میں کیا سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم کے حصول کے بغیر اسلام کا احیا ممکن ہے؟

۵- جدید ٹیکنالوجی نے مغربی ممالک میں جو اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں اور بیماریاں پیدا کی ہیں اُن کا سدِّباب اسلام کس طرح کر سکتا ہے؟

۶- دورِ حاضر میں مغربی اقوام عورتوں اور مردوں کی مجموعی قوت کو ترقی کے لیے ضروری سمجھتی ہیں؟ اسلام نے اس ضمن میں عورت کو کیا ذمہ داریاں سونپی ہیں، حدود متعین کیجیے۔

۷- قرآن میں آیات (دنیا) پہ غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں نے عام طور سے اس پہلو کو نظرانداز کیا ہے؟ یہ کام اگر اب شروع کیا جائے تو ہم عصر اقوام کے ہم پلہ ہونے کے لیے کیا صدیاں درکار نہ ہوں گی؟

۸- اسلام کے دورِ عروج میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے منسلک علوم میں مسلمانوں نے

ایک امتیازی نشان حاصل کیا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ ان علوم کا اثر مسلم معاشرہ پر کس طرح پڑا اور وہ برائیاں اور خرابیاں کیوں پیدا نہ ہوئیں جو آج کل ہیں؟

۹۔ یہ سوال اکثر ذہن میں ابھرتا ہے کہ ہم عصر سماج میں مسلم معاشرہ کا امتیازی حصہ کس نوعیت کا ہے۔

۱۰۔ کیا مادی ترقی اخلاقی اور روحانی ترقی کا ذریعہ بن سکتی ہے؟ جب کہ قرآن کی آیت ہے کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ نافذ کریں..... یعنی مادی ترقی کو شرعی احکام کے نفاذ کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

۱۱۔ جدید انسان اور اسلام کے درمیان اتفاق اور اختلاف کے نقاط کا تعین کیجیے؟

۱۲۔ اسلامی معاشرہ کو مغربیت سے بچانے کی کوشش، جو بلاشبہ مطلوب ہے، کیا ہم اس انداز سے نہیں کر رہے کہ اسے جدیدیت (MODERNIZATION) سے دور کر رہے ہوں؟ کیا یہ اسلام کے لیے مضر نہیں ہے؟ اس کا حل آپ کیا پیش کرتے ہیں؟

۱۳۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کے رول خصوصاً سیاست، معیشت اور ملازمت وغیرہ میں اس کے حقوق پر مسلم علماء نے جو رائے قائم کی ہے وہ اکثر لوگوں کے نزدیک غیر اطمینان بخش ہے۔ قرآن اور سنت کی روشنی میں جدید عورت کے حوصلوں اور توقعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا کوئی معتدل راہ نکالی جا سکتی ہے؟

جواب: محترمی و مکرمی! السلام علیکم

آپ کے سوالات نہ صرف تعداد میں زیادہ ہیں بلکہ ان کا دائرۂ فکر اتنا وسیع ہے کہ ایسی بحثوں کو خط و کتابت میں سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ پھر اس کام کے لیے وقت بھی وافر چاہیے اور میں دولتِ وقت کے لحاظ سے بہت مفلس ہوں۔

سرسری جواب میں لکھ رہا ہوں، مگر ان سے شاید آپ کا اور دوسروں کا مطمئن ہونا مشکل ہے۔ بہر حال جواب نمبروار درج ہیں:

۱۔ اسلام میں ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان فکر و عمل، اخلاق و کردار اور تمدن میں اپنے انفرادی

اور اجتماعی پارٹ کے لحاظ سے ہر لحظہ پیش رفت کرے اور قدم بہ قدم علو و رفعت کی طرف بڑھے۔ مادی وسائل، معاشی وسعت اور تمدنی ادارات کی بہتر سے بہتر تشکیل کرنے کا ہدفِ مقصود انسان کی فلاح ہونا چاہیے۔

۲ — مسلمان کا نصب العین یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے حقیقت کا شاہد بن کے اٹھے، دعوت الی الخیر دے اور شر کی قوتوں کا استیصال کرنے کی کوشش کرے — پہلے فرد کی حیثیت سے، پھر جماعت کی حیثیت سے اور تکمیلی مرحلے میں حکومت کی سطح سے۔

اس عظیم مہم کے لیے بہتر سے بہتر وسائل سے کام لینا ضروری ہے، نیز مزید بہتر وسائل کو پیدا کرنا بھی مطلوب!

۳ — اسلام میں علم کی دو قسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں۔ ایک ہے علمِ ادیان، یعنی زندگی بسر کرنے کے لیے مختلف ادیان، نظریوں، نظاموں اور تحریکوں کا علم حاصل کرنا اور صحیح دین کو اپنے لیے پسند کرنا۔ دوسری قسم ہے علمِ ابدان یا علم اشیا۔ اس میں طبیعیات سے لے کر طب تک وہ تمام علوم داخل ہیں، جن کے ذریعے آدمی خدا کی پیدا کردہ مخلوق، موجودات اور اشیا کی ماہیت، ان کے خواص اور ان کے ذریعے کام کرنے والی قوتوں اور ان پر چلنے والے قوانین سے آگاہی حاصل کرتا ہے اور پھر حاصل شدہ علم کے ذریعے اشیا اور قوتوں کو اپنے مقصد کے لیے بہتر سے بہتر طور پر استعمال کر سکتا ہے۔

پہلا علم ہر فرد کے لیے فریضۂ اساسی ہے، یعنی ہر مسلمان کو یہ جاننا چاہیے کہ زندگی کے لیے صراطِ مستقیم کیا ہے، اسی سلسلے میں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ علمِ وحی کو سمجھے، کتاب و سنت کو جانے، اور دوسری طرف باطل ادیان اور باطل نظاموں (خواہ وہ روحانی و اخلاقی نوعیت کے ہوں یا سیاسی و معاشی نوعیت کے) کو پہچانے۔

۴ — اسلام کا احیا، چونکہ ایک معاشرے کے قیام اور ایک ریاست کے وجود کا طالب ہے، اس لیے یہ تقاضا سائنسی اور ٹیکنالوجیکل قوتوں کو استعمال میں لائے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔

۵ — یہ سوال ایسا نہیں کہ دو سطری جواب دیا جا سکے۔ آپ کو ان تمام خرابیوں اور بیماریوں کو الگ الگ متعین طور پر سامنے رکھنا ہوگا اور پھر ہر ایک سے تحفظ کی تدبیر اختیار کرنی ہوگی۔ ایک اصولی

بات یہ ہے کہ خرابی کا باعث سائنس اور ٹیکنالوجی بجائے خود نہیں بلکہ وہ انسانی ذہن ہے جو مختلف وسائل اور قوتوں کو خدا ناشناسانہ نقطۂ نظر سے استعمال کرتا ہے۔

۶۔ مرد اور عورت کو مساوی اور یکساں تصور کر کے "دوش بدوش ترقی" کا جو فلسفہ اختیار کیا گیا ہے، اسلام میں اُس کی جگہ نہیں ہے۔

عورتوں کے لیے سارے انسانی اور نسائی حقوق اسلام میں موجود ہیں، مگر دو پابندیوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ عورتوں کا دائرۂ کار گھر اور خاندان ہے۔ عورت کو عمومی طور پر گھر سے نکالنے والے معاشرے جن بلاؤں سے دوچار ہیں اور خود اُن کی عورتیں جس ذلتِ نسائیت کا سامنا کر رہی ہیں، اُس کی تفصیل دینے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اسلام نے عورت کو گھر میں بطور قیدی کے نہیں بٹھایا، بلکہ نئی نسلوں کو انسانیت اور اسلام سے اور خاندان کو خدا پرستانہ تہذیب کی روایات سے آراستہ کرنے کی عظیم اور مقدس ذمہ داری اُس کے سپرد کی ہے۔ امومت کے سائے سے محروم نسلیں جس ذہن و اخلاق کے ساتھ جدید تہذیب اختیار کرنے والے معاشروں میں اُبھر رہی ہیں اُن میں نہ صرف قومی حد تک جرائم میں تیز رفتار اضافہ ہو رہا ہے اور اطفال کا وحشی پن نت نئی مصیبتیں کھڑی کر رہا ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر نگاہ ڈالیں تو دورِ رواں کے انسانوں میں بڑی خوفناک جبر کیشی اور تشدد پسندی پائی جاتی ہے۔ جا بجا جنگ و جدل کا چھڑنا، جنگی کارروائیوں میں انسانیت کی ہر قدر کا تباہ ہونا، انقلابات اور انقلابات کی دوڑ، چھاپہ ماروں کا ظہور، افراد کے علاوہ جہازوں کا اغوا، ہر طرف بڑھتی ہوئی جاسوسی اور فریب کاری اور فحاشی اور بے حیائی۔ یہ سارے مظاہر صاف صاف یہ شہادت دیتے ہیں کہ جدید عورت نے نسلوں کی تربیت میں جو کوتاہی آزادی اور ترقی کی رَو میں آ کر برتی ہے اب پوری دنیا اُس کا خمیازہ بھگت رہی ہے۔

اسلام جس کا مقصد ہی اعلیٰ درجے کے انسان پیدا کر کے اُن کے ذریعے خیر و فلاح کے نظام کو چلانا اور ساری دنیا میں بُرائی کی قوتوں کے خلاف نیکی کی قوتوں کو حرکت میں لانا ہے، وہ کیسے عورت کو انسان سازی کے عظیم منصب کو چھوڑ کر اندھی آزادی و ترقی کے جنگل میں بھٹکنے کا مجاز قرار دے سکتا ہے۔

دوسری پابندی یہ کہ وہ گھر سے نکلے تو قانونِ حجاب کی پابندی اختیار کرے اور نامحرموں کے ساتھ

محفل آرائی نہ کرے۔

بظاہر اس دوسری پابندی کے خلاف یہ کہا جاتا ہے کہ پردہ ترقی میں رکاوٹ ہے۔ یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ ایسی خواتین موجود ہیں جو پردے کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ سائنسی تعلیم تک حاصل کرتی ہیں، پابندیِ حجاب ڈاکٹر خواتین موجود ہیں جو ہسپتالوں میں فرائض انجام دے رہی ہیں اور وہ بھی ہیں جو اعلیٰ مدارج میں معلمی کر رہی ہیں۔ اسی ملک میں مس خدیجہ فیروز الدین مرحوم تھیں جو پردے کی اتنی شدید پابندی کے ساتھ مغربی ممالک کا سفر کر آئی تھیں کہ ان کے ہاتھ دستانوں سے اور پیر جرابوں سے ڈھنپے ہوتے۔ خواتین میں وہ بھی ہیں جو برطانیہ یا امریکہ میں رہنے کے لیے گئیں اور انہوں نے خود تیار کر کے برقعے دوسری بہنوں کو پہنائے۔ کسی کے کام میں خلل نہیں پڑا۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہوائی جہاز چلانے اور میزائیل چھوڑنے سے لے کر خلائی جہاز میں آسمان پر پروازی تک کوئی مرحلہ ایسا نہیں کہ ایک مومنہ صادقہ اپنے پردے کو قائم رکھتے ہوئے ذمہ داری ادا نہ کر سکے۔ اسی طرح شہروں میں ان کے لیے کھیل کے الگ پردہ دار میدان ہو سکتے ہیں۔

لیکن میں اس کا قائل نہیں کہ گھر کو چھوڑ کر باہر بھاگنے کا وہ جنون ہماری خواتین پر طاری ہو اور مردہی اسے بھڑکانے والے ہوں جو مغربی خواتین کی نسائیت کو اجاڑ چکا ہے۔ بعض وہ کام ہیں جو عورتوں ہی سے متعلق ہیں۔ مثلاً عورتوں کی تعلیم یا عورتوں کا علاج وغیرہ، یا پھر کچھ ایسے کام ہو سکتے ہیں کہ کسی شدید آزمائش کی صورت میں کرنے پڑیں۔ اور ایسے کاموں کے لیے کچھ عورتوں کو تیار رکھنا پڑے۔

واضح رہے کہ تاحال ہمارے مردوں کی تعداد (MAN - POWER) اتنی زیادہ ہے کہ عورتوں کو میدان میں لانے کے معنی زیادہ قوی صنف کے لاکھوں افراد کو بے روزگاری میں جھونک دینا ہے پہلے مردوں کو کام سے لگائیے، پھر اگر کمی پڑ جائے تو عورتوں کو طلب کیجیے، مگر اس شرط پر کہ ہر کارخانے اور دفتر میں ان کے لیے علیحدہ باپردہ جائے کار کا انتظام ہو۔ ان کی کارکردگی کا وقت بھی کم رکھیے۔ تاکہ وہ بچوں کی مناسب دیکھ بھال کر سکیں اور بزرگوں، بہنوں بھائیوں اور دیوروں بھاوجوں کے ساتھ شامل ہو کر گھر کی فضا کو ان جذبوں اور ان قدروں سے مالا مال کر سکیں جن کے مرجھا جانے سے سارا معاشرہ برباد ہو جاتا ہے۔ محض اقتصادی دولت تو آپ مردوں عورتوں سب کو جھونک کر زیادہ کما سکتے ہیں

مگر ایمانی و اخلاقی دولت لٹ جائے گی۔

اس قسم کے معاملات جن میں فاسد تہذیب کے غلبے کی وجہ سے مسلمان اُلجھے ہیں، خصوصاً ہمارے وہ طبقے جو ذہنی مسحوریت کا شکار ہیں، اُن کے متعلق میرا ذہن قطعی یکسو ہے۔ میں جب یہ مانتا ہوں کہ خداوند قدوس خدائے برحق ہے اور حاکم مطلق اور ہدایت دہندۂ انسان اور جب میں یہ مانتا ہوں کہ رسول اکرمؐ سچے رسول تھے اور آپؐ کی سنت اور اُسوہ واجب الاتباع ہیں تو پھر میں کتاب و سنت کے صاف اور واضح احکام کو اپنی پسند کا مفہوم دینے کے لیے تاویل یا تحریف سے نہیں گزار سکتا۔ مسلمان کو قطعی اور دوٹوک راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر شریعت میں پردہ ہے تو اُس کا کڑا اہتمام کیجیے، نہیں ہے تو ترک کر دیجیے، یہ آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں چل سکتا۔

۷ --- اصلاً قرآن میں آیات پر غور کی دعوت توحید یا دین حق کے سلسلے میں دلائل دیتے ہوئے دی گئی ہے اور اس غور سے مطلوب یہ ہے کہ لوگ کائنات پر غور کر کے اس کی بات کی گواہی بہ سلسلۂ وجود و توحید باری تعالیٰ سمجھ سکیں۔

ظاہر ہے کہ اس غور و خوض یا مطالعہ و مشاہدہ سے ضمناً سائنس اور ٹیکنالوجی کے علوم کی راہ بھی کھلتی ہے۔ کشتی نوحؑ اور زرہ سازی داؤد علیہ السلام سے لے کر ذوالقرنین کے بند بنانے اور دھاتیں پگھلا کر استعمال کرنے تک، نیز حضورؐ کے طریق خندق کو جنگ میں استعمال کرنے اور رتھ کے بنے ہوئے قلعہ شکن آلات کو استعمال کرنے تک اسلام نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی خاصی ترغیب دلائی ہے۔

مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں سائنس میں بھی بہت پیش [illegible] کی اور ٹیکنالوجی میں بھی۔ ہوا سے چلنے والی آب کش مشینیں تو دورِ فاروقی ہی میں است[illegible] کی گئیں۔ دراصل مسلمانوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی جو دیواریں اُٹھائی تھیں، بعد میں انھی کو یورپ والوں نے مکمل کیا اور اُن پر چھت ڈال کر عمارت بنائی۔ موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی دراصل مسلمانوں کے کیے ہوئے کام کی تکمیلی شکل ہے، جیسے کوئی شخص پودا لگا کر خود تو رخصت ہو جائے اور بعد والے اس کی آبیاری کر کے اس سے برگ و بار حاصل کریں۔

یہ خیال غلط ہے کہ جو اب کام شروع کرے گا وہ ہمیشہ پیچھے رہے گا۔ نوخیز قوتیں اگر کام کریں

تو موجودہ غالب قوتیں کسی بھی وقت مضمحل یا ختم ہو سکتی ہیں۔ پھر اس کام کو آگے لے کر وہی چلے گا، جس میں پُر زور ذہنی حرکت ہوگی اور توانائی اور فعالیت ہوگی۔ جاپان مغرب والوں کے بعد اُٹھا، مگر جنگی تباہی کے باوجود وہ آج دوسروں کے پیش پیش ہے۔ مسلمانوں کی اصل مشکل یہ ہے کہ ابھی اُن کے اندر وہ ایمانی قوت پوری طرح برسرِ عمل نہیں ہے جو ساری توانائیوں کو جگا دیتی ہے۔

۸۔ مسلمانوں میں علوم کی ترقی سے اُس طرح کی خرابیاں پیدا نہیں ہوئیں۔ جیسی آج کل کے مغربی معاشروں میں ہیں، کیونکہ اُن کا بنیادی مزاج خدا پرستانہ اور اخلاق پسندانہ تھا۔ لیکن پھر بھی ایمانی قوت کے مضمحل ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے اسبابِ زوال پیدا ہوتے گئے جنہوں نے ڈینیوب سے مالنگا تک چھائی ہوئی عظیم قوت کو پچھاڑ دیا۔

۹۔ لفظ روحانی سے اگر ذہن خانقاہیت کی طرف جائے تو آپ روحانی ترقی کے بجائے ایمانی و اخلاقی ترقی کی اصطلاح استعمال کریں۔ ترتیب بالکل اُلٹی ہے، یعنی ایمانی و اخلاقی ترقی مسلمانوں کے لیے مادی ترقی کا ذریعہ بنتی ہے۔ دعوت کے لیے جدید سے جدید وسائل کی ضرورت ہے، انقلاب کے لیے وسائل کی ضرورت ہے، حکومت کو چلانے کے لیے مادی قوتوں کی ضرورت ہے اور جنگ کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مادی اسباب کی ضرورت ہے۔

تاریخ کا تجربہ یہی ہے کہ قوموں کی قوتیں برسوں خوابیدہ رہتی ہیں، بلکہ کبھی صدیوں تک: یہاں تک کہ اُن میں روحانی و ایمانی حرکت پیدا ہو اور وہ اتنا زور پکڑے کہ تحریکی درجے تک پہنچ جائے — ایمانی حرکت سے جو کشمکش پیدا ہوتی ہے وہ دماغی اور فکری قوتوں کو اُبھار دیتی ہے۔

دورِ حاضر کے مادی نظاموں کے پیچھے بھی ایک طرح کے اعتقادی اور اخلاقی رجحانات کارفرما رہتے ہیں، کسی نے مساوات اور جمہوریت کے نام پر پکارا، کسی نے معاشی برابری کی طرف، بعض فلسفے انتقامی ردِ عمل میں نمودار ہوتے مگر اُن کے لیڈروں نے اُن کو قانونِ عدل کے تحت رکھ کر ان میں اخلاقی اپیل پیدا کی۔ افسوس ہے کہ میں مختلف مثالیں نہ تفصیل سے دے سکتا ہوں، نہ تجزیہ کر کے دکھا سکتا ہوں کہ میرے نقطۂ نظر سے ہر باطل نظام نے بھی ایک طرح کی اعتقادی اور اخلاقی اپیل اختیار کی، تبھی اُس کی دعوت انسانوں میں حرکت پیدا کر سکی۔

اسلامی حکومت کا کام جہاں نماز و زکوٰۃ کے نظام کو جامع شکل میں جاری کرنا ہے، وہاں وہ

تشکیل بھی ایسے انسانوں کی مساعی سے پاتی ہے جو نماز و زکوٰۃ کے پابند ہوں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ آیا حکومت یکسر ایک مادی قوت کا نام ہے۔ وہ انسانی فلاح کا ایک ادارہ ہے جس کے زیر تصرف مادی وسائل بھی ہوتے ہیں، مگر ایمانی و اخلاقی قوتوں کے زور سے ظہور کرتی اور خود ان قوتوں کو مزید نشوونما دیتا ہے۔

۱۱۔ جدید انسان اور اسلام کے درمیان اختلاف بس اتنا ہی ہے کہ اسلام خدا پرست، عاقبت اندیش اور پابندِ اخلاق انسان پیدا کرنا چاہتا ہے، مگر جدید انسان ایک ملحدانہ و مادہ پرستانہ تہذیب کا حامل ہے، اُخروی جواب دہی کا کوئی احساس اُس کے اندر نہیں اور وہ اخلاق کو افادیت کے تابع کرنے کی وجہ سے لا اخلاقیت کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ جدیدیت اور اسلام میں معروضی طور پر وہ بڑا فاصلہ حائل ہے جس کی طرف نمبر ۱۱ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ فاصلہ ہی نہیں، تضاد اتنا شدید ہے کہ نتیجہ تصادم ہے۔ یہ الگ بات کہ ہم تھوڑی قوت (قوتِ نظریہ و اعتقاد، قوتِ اخلاص، قوتِ اخلاق، قوتِ شعور، قوتِ اتحاد، قوتِ علوم و فنون اور قوت ادارات و وسائل) سے زیادہ بڑی قوت کے خلاف معرکہ آرائی ہیں مدت سے چوٹیں کھا رہے ہیں۔ مگر یہ بھی ہماری طرف سے حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ غلامی میں پسنے اور شدید تہذیبی یورش کے وار سہنے کے باوجود کسی مرحلے میں ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں ہوئے۔ بخلاف اس کے اِس بیسویں صدی میں تو ہمارے اندر سے نئے ایمانی شعور کے ساتھ ایسی قوتیں اُٹھ کر تیزی سے بڑھ رہی ہیں جو شاید جدیدیت کے مورچوں پر اسلام کی فتح کا جھنڈا لہرانے کی سعادت حاصل کر لیں گی۔

ہاں، تعصب بہر حال ہمارے اندر نہیں ہونا چاہیے۔ دورِ جدید کے علوم و افکار یا وسائل و ادارات میں اگر کچھ ایسی مفید چیزیں ملیں جو اسلام کے نظامِ فکر و تہذیب سے ہم آہنگی پیدا کر سکیں، تو اُن کو ضرور اخذ کیا جائے، مگر ہمیں اس مسحوریت اور مرعوبیت کے سخت خلاف ہوں جو حقیقتہً ذہنی شکست خوردگی ہے اور جس کے تحت ہمارے متجددین دورِ جدید کے سمجھے سوچے نظامات کو اُٹھا کر اُن پر اسلام کا لیبل لگا دیتے ہیں اور اس مشغلے میں اسلام کے اصول و احکام پر دل کھول کر عملِ مسخ و تحریف کرتے ہیں۔

اگر جدیدیت کی یہ اہمیت ہے کہ اسلام کو اس کے قریب پہنچا دیا جائے تو آخر دورِ نبوت میں

رائج مشرکانہ نظامِ جاہلیت کی یہ اہمیت کیوں نہ تھی کہ تصادم سے بچنے کے لیے اسلام کو اس کے قریب کر دیا جاتا، جیسے کہ مشرکین کا مطالبہ بھی تھا کہ کچھ نئی قسم کی وحی آنی چاہیے اور اسلام میں کچھ رد و بدل ہو جانا چاہیے۔

اسلام کی راہ اگر باطل نظاموں سے سمجھوتے کی راہ ہوتی تو تاریخ کے وہ سارے مرحلے عمل میں نہ آتے جو ہر نبی اور ہر مردِ صالح کو کسی غلط نظام کی وجہ سے پیش آتے۔ ہمارا کام اسلام کو بدلنے کے بجائے زمانے کو یا ماحول کو بدلنا ہے، چاہے دیر لگے اور مشقت پیش آئے۔

۱۳۔ کچھ بات تو نمبر ۶ میں آ چکی ہے۔ مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک فاسد تہذیب کے غلبے نے جدید عورت کو جن حوصلوں اور توقعات سے آراستہ کر دیا ہے، وہ معیارِ فیصلہ نہیں ہیں۔ جدید دولت پرستوں کے حوصلے، جدید ادیبوں کے حوصلے، جدید ایکٹروں کے حوصلے، جدید کاروباریوں کے حوصلے اور جدید دولت پرستوں اور اسراف پسندوں اور تبذیر کیشوں کے حوصلے ــــــ یہ سب طرح طرح کے حوصلے مادہ پرستانہ طرزِ فکر سے پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام کا معاملہ یہ ہے کہ یہ صرف اُن لوگوں کا دین ہے جو رضاکارانہ جذبے سے اسے اپنے لیے پسند کریں، رضاکارانہ جذبے سے اس کے اصول و احکام کا اتباع کریں، اور معیارِ فیصلہ اسلام سے باہر تلاش کرنے کے بجائے اسلام کے اندر تلاش کریں۔ یہ تو سرِ تسلیم خم کر دینے والوں کا مسلکِ حیات ہے۔ اُن کا نہیں جو کسی دوسرے مورچے سے اسلام کے خلاف لڑیں اور اس کے اُصول و احکام کے اجزا اور ریشے الگ الگ کر کے پھر اُن میں پیوند کاری کریں۔

معتدل راہ مسلم خواتین کے لیے وہی ہو سکتی ہے جسے نمبر ۶ میں عرض کیا گیا ہے۔

جو کچھ میرے ذہن میں تھا، مختصراً آپ کے سوالوں کے جواب میں عرض کر دیا ہے۔ آپ ان گذارشات پر غور کریں۔